© rasailojaraid.com

تفہیم القرآن

الدّہر

(۲)

یہ وہ لوگ ہیں جو (دنیا میں) نذر پوری کرتے ہیں^{۱۰} اور اُس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت

---

۱۰ نذر پوری کرنے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ آدمی پر واجب کیا گیا ہو اسے وہ پورا کرے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ آدمی نے خود اپنے اوپر واجب کر لیا ہو، یا بالفاظِ دیگر جس کام کے کرنے کا اس نے عہد کیا ہو، اسے وہ پورا کرے۔ تیسرا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ آدمی پر واجب ہو، خواہ وہ اُس پر واجب کیا گیا ہو یا اس نے خود اپنے اوپر واجب کر لیا ہو، اسے وہ پورا کرے۔ ان تینوں مفہومات میں سے زیادہ معروف مفہوم دوسرا ہے اور عام طور پر لفظ نذر سے وہی مراد لیا جاتا ہے۔ بہر حال یہاں ان لوگوں کی تعریف یا تو اس لحاظ سے کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ واجبات کو پورا کرتے ہیں، یا اس لحاظ سے کی گئی ہے کہ وہ ایسے نیک لوگ ہیں کہ جو خیر اور بھلائی کے کام اللہ نے ان پر واجب نہیں کیے ہیں ان کو بھی انجام دینے کا جب وہ اللہ سے عہد کر لیتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں، کجا کہ اُن واجبات کو ادا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی کریں جو اللہ نے ان پر عائد فرمائے ہیں جہاں تک نذر کے احکام کا تعلق ہے، اُن کو مختصر طور پر ہم تفہیم القرآن، جلد اوّل، البقرہ، حاشیہ ۳۱۰ میں بیان کر چکے ہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے تاکہ لوگ نذر کے معاملہ میں جو غلطیاں کرتے ہیں، جو غلط فہمیاں لوگوں میں پائی جاتی ہیں ان سے بچ سکیں اور نذر کے صحیح قواعد سے واقف ہو جائیں۔

(۱) فقہاء نے نذر کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ ایک آدمی اللہ سے یہ عہد کرے کہ وہ اُس کی رضا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاطر فلاں نیک کام کرے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ اس بات کی نذر مانے کہ اگر اللہ نے میری فلاں حاجت پوری کر دی تو میں شکرانے میں فلاں نیک کام کروں گا۔ ان دونوں قسم کی نذروں کو فقہاء کی اصطلاح میں نذرِ تبرّر (نیکی کی نذر) کہتے ہیں اور اس پر اتفاق ہے کہ اسے پورا کرنا واجب ہے۔ تیسرے یہ کہ آدمی کسی ناجائز کام کے کرنے یا کسی واجب کام کے نہ کرنے کا عہد کرلے۔ چوتھے یہ کہ آدمی کوئی مباح کام کرنے تو اپنے اوپر لازم کرلے یا کوئی مستحب کام نہ کرنے کا یا کوئی خلافِ اولیٰ کام کرنے کا عہد کرلے! ان دونوں قسموں کی نذروں کو فقہاء کی اصطلاح میں نذرِ لجاج (جہالت اور جھگڑالو پن اور ضد کی نذر) کہتے ہیں۔ ان میں سے تیسری قسم کی نذر کے متعلق اتفاق ہے کہ وہ منعقد ہی نہیں ہوتی۔ اور چوتھی قسم کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے۔ بعض فقہا کہتے ہیں کہ اسے پورا کرنا چاہیے۔ بعض کہتے ہیں کہ قسم توڑنے کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آدمی کو اختیار ہے، خواہ نذر پوری کردے، یا کفارہ ادا کردے۔ شافعیوں اور مالکیوں کے نزدیک یہ نذر سرے سے منعقد نہیں ہوتی۔ اور حنفیوں کے نزدیک دونوں قسموں کی نذروں پر کفارہ لازم آتا ہے۔ (عمدۃ القاری)۔

(۲) متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نذر ماننے سے منع فرمایا ہے جو یہ سمجھتے ہوئے مانی جائے کہ اس سے تقدیر بدل جائے گی، یا جس میں کوئی نیک کام اللہ کی رضا کے لیے بطورِ شکر کرنے کے بجائے آدمی اللہ تعالیٰ کو بطورِ معاوضہ یہ پیشکش کرے کہ آپ میرا یہ کام کردیں تو میں آپ کے لیے فلاں نیک کام کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ اَخَذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھیٰ عن النذر ویقول انہ لا یردّ شیئاً وانما یُستخرج بہ من البخیل "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ نذر ماننے سے منع کرنے لگے اور فرمانے لگے کہ وہ کسی ہونے والی چیز کو پھیر نہیں سکتی، البتہ اس کے ذریعہ سے کچھ مال بخیل سے نکلوا لیا جاتا ہے" (مسلم۔ ابوداؤد)۔ حدیث کے آخری فقرے کا مطلب یہ ہے کہ بخیل یوں تو راہِ خدا میں مال نکالنے والا نہ تھا، نذر کے ذریعہ سے اس لالچ میں وہ کچھ خیرات کر دیتا ہے کہ شاید یہ معاوضہ قبول کرکے اللہ تعالیٰ اس کے لیے تقدیر بدل دے۔ دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا النذر لا یُقدِّمُ شیئاً ولا یُؤخّرہٗ وانما یُستخرج بہ من البخیل "نذر نہ کوئی کام پہلے کراسکتی ہے، نہ کسی ہونے کام میں تاخیر کراسکتی ہے۔ البتہ اس کے ذریعہ سے کچھ مال بخیل کے ہاتھ سے نکلوا لیا جاتا ہے" (بخاری و مسلم)۔ ایک اور روایت میں وہ کہتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں کہ حضورؐ نے نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا انه لا یاتی بخیر و انما یستخرج به من البخیل "اس سے کوئی کام بنتا نہیں ہے۔ البتہ اس کے ذریعہ سے کچھ مال بخیل سے نکلوا لیا جاتا ہے" (بخاری و مسلم)۔ تقریباً اسی مضمون کی متعدد روایات مُسلم نے حضرت ابو ہُریرہ سے نقل کی ہیں، اور ایک روایت بخاری و مسلم دونوں نے نقل کی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ان النذر لا یقرب من ابن آدم شیئاً لم یکن اللہ قدرہ له ولکن النذر یوافق القدر فیخرج بذالك من البخیل ما لم یکن البخیل یرید ان یخرج "درحقیقت نذر ابن آدم کو کوئی ایسی چیز نہیں دلوا سکتی جو اللہ نے اس کے لیے مقدر نہ فرمائی ہو، لیکن نذر ہوتی تقدیر کے مطابق ہی ہے کہ اس کے ذریعہ سے تقدیرِ الٰہی وہ چیز بخیل کے پاس سے نکال لاتی ہے جسے وہ کسی اور طرح نکالنے والا نہ تھا"۔ اِس مضمون پر مزید روشنی حضرت عبداللہ بن عَمرو بن عاص کی اِس روایت سے پڑتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا انما النذر ما ابتغی به وجه اللہ "اصل نذر تو وہ ہے جس سے اللہ کی خوشنودی مقصود ہو"۔ (طحاوی)

(۳) نذر کے معاملہ میں ایک اور قاعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ صرف وہ نذر پوری کرنی چاہیے جو اللہ کی اطاعت میں ہو۔ اللہ کی نافرمانی کرنے کی نذر ہرگز پوری نہیں کرنی چاہیے۔ اسی طرح ایسی چیز میں کوئی نذر نہیں ہے جس کا آدمی مالک نہ ہو، یا ایسے کام میں کوئی نذر نہیں ہے جو انسان کے بس میں نہ ہو۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا من نذر ان یطیع اللہ فلیطعه ومن نذر ان یعصی اللہ فلا یعصه "جس نے یہ نذر مانی ہو کہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے، اور جس نے یہ نذر مانی ہو کہ اللہ کی نافرمانی کرے گا تو اسے نافرمانی نہیں کرنی چاہیے" (بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی)۔ ثابت بن ضحاک کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا وفاء لنذر فی معصیة اللہ ولا فیما لا یملك ابن آدم "اللہ کی نافرمانی میں کسی نذر کے پورا کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، نہ کسی ایسی چیز میں جو آدمی کی ملکیت میں نہ ہو" (ابوداؤد)۔ مسلم نے اسی مضمون کی روایت حضرت عِمران بن حُصَین سے نقل کی ہے۔ اور ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عَمرو بن عاص کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایت اس سے زیادہ مفصل ہے جس میں وہ حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لانذر ولا یمین فی مالا یملک ابن آدم، ولا فی معصیۃ اللہ، ولا فی قطیعۃ رحم "کوئی نذر اور کوئی قسم کسی ایسے کام میں نہیں ہے جو آدمی کے بس میں نہ ہو، یا اللہ کی نافرمانی میں ہو، یا قطع رحمی کے لیے ہو۔"

(۴) جس کام میں بجائے خود کوئی نیکی نہیں ہے اور آدمی نے خواہ مخواہ کسی فضول کام، یا ناقابلِ برداشت مشقت، یا محض تعذیبِ نفس کو نیکی سمجھ کر اپنے اوپر لازم کر لیا ہو اُس کی نذر پُوری نہیں کرنی چاہیے۔ اس معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بالکل واضح ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ نے دیکھا ایک صاحب دھوپ میں کھڑے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہیں اور کیسے کھڑے ہیں؟ عرض کیا گیا یہ ابو اسرائیل ہیں، انہوں نے نذر مانی ہے کہ کھڑے رہیں گے، بیٹھیں گے نہیں، نہ سایہ کریں گے، نہ کسی سے بات کریں گے، اور روزہ رکھیں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا مُرُوہ فلیتکلم ولیستظل ولیقعد ولیتم صومہ "ان سے کہو بات کریں، سایہ میں آئیں، بیٹھیں، البتہ اپنا روزہ پُورا کریں" (بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ، مُوطّا)۔

حضرت عُقبہ بن عامر جُہَنی کہتے ہیں کہ میری بہن نے ننگے پاؤں پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہے اور یہ نذر بھی مانی ہے کہ اس سفر میں سر پر کپڑا بھی نہ ڈالیں گی۔ حضورؐ نے فرمایا اس سے کہو کہ سواری پر جائے اور سر ڈھانکے (ابوداؤد)۔ مسلم نے اس مضمون کی متعدد روایات نقل کی ہیں جن میں کچھ لفظی اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے عُقبہ بن عامر کی بہن کا یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے حضورؐ کے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں: اِنَّ اللہَ لغنیٌّ عن نذرھا، مُرھا فلترکب "اللہ کو اس کی اس نذر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے کہو کہ سواری پر جائے" (ابوداؤد)۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا، میری بہن نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ان اللہ لا یصنع بشقاء اختک شیئاً، فلتحج راکبۃ "تیری بہن کے مشقت میں پڑنے کی اللہ کو کوئی ضرورت نہیں پڑی ہے۔ اسے سواری پر حج کرنا چاہیے" (ابوداؤد)

حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ حضورؐ نے (غالباً سفرِ حج) میں دیکھا کہ ایک بڑے میاں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے دو بیٹے سنبھالے لیے چل رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا گیا انہوں نے پیدل چلنے کی نذر مانی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا ان اللّٰہ لغنیٌّ عن تعذیب ھٰذا نفسَہٗ، وامرہٗ ان یرکب۔ "اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے کہ یہ شخص اپنے نفس کو عذاب میں ڈالے" پھر آپ نے اسے حکم دیا کہ سوار ہو (بخاری، مسلم، ابوداؤد۔ مسلم میں اسی مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے)۔

(۵) اگر کسی نذر کو پورا کرنا عملاً ممکن نہ ہو تو اسے کسی دوسری صورت میں پورا کیا جا سکتا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے روز ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا، یا رسول اللہ، میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے مکہ آپ کے ہاتھ پر فتح کر دیا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھوں گا۔ حضورؐ نے فرمایا یہیں پڑھ لے۔ اس نے پھر پوچھا۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس نے پھر پوچھا ... ...
... ... آپ نے فرمایا شأنک اذاً "اچھا تو تیری مرضی"۔ دوسری ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا والذی بعث محمداً بالحق، لو صلّیت ھٰھنا لاجزأ عنک صلوٰۃ فی بیت المقدس۔ "قسم ہے اُس ذات کی جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر تو یہیں نماز پڑھ لے تو بیت المقدس میں نماز پڑھنے کے بدلے یہ تیرے لیے کافی ہو گی" (ابوداؤد)۔

(۶) اگر کسی نے اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں دے دینے کی نذر مان لی ہو تو اس کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اسے ایک تہائی مال دے دینا چاہیے، اور مالکیہ میں سے سحنونؒ کا قول ہے کہ اسے اتنا مال دے دینا چاہیے جسے دینے کے بعد وہ تکلیف میں نہ پڑ جائے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر یہ نذر تبرّر کی نوعیت کی ہو تو اسے سارا مال دے دینا چاہیے، اور اگر یہ نذرِ لجاج ہو تو اسے اختیار ہے کہ نذر پوری کرے یا قسم کا کفارہ ادا کر دے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اسے اپنا وہ سب مال دے دینا چاہیے جس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہو، لیکن جس مال میں زکوٰۃ نہیں ہے، مثلاً مکان یا ایسی ہی دوسری املاک، اس پر اس نذر کا اطلاق نہ ہو گا۔ حنفیہ میں سے امام زُفَر کا قول ہے کہ اپنے اہل و عیال کے لیے دو مہینے کا نفقہ رکھ کر باقی سب صدقہ کر دے (عمدۃ القاری۔ شرح مؤطا از شاہ ولی اللہ صاحب)۔

حدیث میں اس مسئلے کے متعلق جو روایات آئی ہیں وہ یہ ہیں: حضرت کعب بن مالک کہتے ہیں کہ غزوۂ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبوک کے موقع پر میرے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے جو عتاب میرے اوپر ہوا تھا اس کی جب معافی مل گئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری توبہ میں یہ بات بھی شامل تھی کہ میں اپنے سارے مال سے دست بردار ہو کر اسے اللہ اور رسول کی راہ میں صدقہ کر دونگا۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا، پھر آدھا مال؟ فرمایا، نہیں۔ میں نے عرض کیا، پھر ایک تہائی؟ فرمایا ہاں (ابوداؤد)۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تم اپنا کچھ مال اپنے لیے روک رکھو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے (بخاری)۔ امام زہری کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابولبابہ نے (جن پر اسی غزوۂ تبوک کے معاملہ میں عتاب ہوا تھا) حضورؐ سے عرض کیا: میں اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں صدقہ کے طور پر اپنے سارے مال سے دست بردار ہوتا ہوں۔ حضورؐ نے جواب دیا تمہارے لیے اس میں سے صرف ایک تہائی دے دینا کافی ہے (مؤطا)۔

(۷) اسلام قبول کرنے سے پہلے اگر کسی شخص نے کسی نیک کام کی نذر مانی ہو تو کیا اسلام قبول کرنے کے بعد اسے پورا کیا جائے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ اس بارے میں یہ ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔ بخاری، ابوداؤد اور طحاوی میں حضرت عمرؓ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ ایک رات (اور بروایت بعض ایک دن) مسجد حرام میں اعتکاف کریں گے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے حضورؐ سے فتویٰ پوچھا تو آپ نے فرمایا اوفِ بنذرک (اپنی نذر پوری کرو)۔ بعض فقہاء نے حضورؐ کے اس ارشاد کا یہ مطلب لیا ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے اور بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ یہ مستحب ہے۔

(۸) میت کے ذمہ اگر کوئی نذر رہ گئی ہو تو اسے پورا کرنا وارثوں پر واجب ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابوثور اور ظاہریہ کہتے ہیں کہ میت کے ذمہ اگر روزے یا نماز کی نذر رہ گئی ہو تو وارثوں پر اس کا ادا کرنا واجب ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نذر اگر بدنی عبادت (نماز یا روزہ) کی ہو تو وارثوں پر اس کا پورا کرنا واجب نہیں ہے۔ اور اگر مالی عبادت کی ہو اور مرنے والے نے اپنے وارثوں کو اسے پورا کرنے کی وصیت نہ کی ہو تو اسے بھی پورا کرنا واجب نہیں، البتہ اگر اس نے وصیت کی ہو تو اس کے ترکے میں سے ایک تہائی کی حد تک نذر پوری کرنی واجب ہو گی۔ مالکیہ کا مذہب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ نذر اگر غیر مالی عبادت کی ہو، یا مالی عبادت کی ہو اور میت نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا ہو، تو اسے پورا کرنا وارثوں پر واجب نہیں ہے۔ اور اگر میت نے ترکہ چھوڑا ہو تو وارثوں پر مالی عبادت کی نذر پوری کرنا واجب ہے، خواہ اس نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو (شرح مسلم للنووی۔ بذل المجہود شرح ابی داؤد)۔ حدیث میں اس مسئلے کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ حضرت سعد بن عُبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور ان کے ذمہ ایک نذر تھی جو انہوں نے پوری نہیں کی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم اس کی طرف سے پوری کرو (ابوداؤد، مسلم)۔ دوسری روایت ابن عباس سے یہ ہے کہ ایک عورت نے بحری سفر کیا اور نذر مانی کہ اگر میں زندہ سلامت واپس گھر پہنچ گئی تو ایک مہینے کے روزے رکھوں گی۔ واپس آنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور وہ مر گئی۔ اس کی بہن یا بیٹی نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا اور آپؐ نے فرمایا کہ اس کی طرف سے تو روزے رکھ لے (ابوداؤد)۔ ایسی ہی ایک روایت ابوداؤد نے حضرت بُریدہ سے نقل کی ہے کہ ایک عورت نے حضورؐ سے اسی طرح کا مسئلہ پوچھا اور آپؐ نے اسے وہی جواب دیا جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ ان روایات میں چونکہ یہ بات صاف نہیں ہے کہ حضورؐ کے یہ ارشادات وجوب کے معنی میں تھے یا استحباب کے معنی میں، اور حضرت سعد بن عُبادہ کی والدہ کی نذر کے معاملہ میں یہ واضح نہیں ہے کہ وہ مالی عبادت کے بارے میں تھی یا بدنی عبادت کے بارے میں، اسی بنا پر فقہاء کے درمیان اس مسئلے میں اختلافات ہوتے ہیں۔

(۹) غلط اور ناجائز نوعیت کی نذر کے معاملہ میں یہ بات تو صاف ہے کہ اسے پورا نہیں کرنا چاہیے البتہ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اس پر کفارہ لازم آتا ہے یا نہیں۔ اس مسئلے میں چونکہ روایات مختلف ہیں اس لیے فقہاء کے مسالک بھی مختلف ہیں۔ ایک قسم کی روایات میں یہ آیا ہے کہ حضورؐ نے ایسی صورت میں کفارہ کا حکم دیا ہے۔ مثلاً، حضرت عائشہؓ کی یہ روایت کہ حضورؐ نے فرمایا لا نذر فی معصیۃ وکفارتہ کفارۃ یمین، "معصیت میں کوئی نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم توڑنے کا کفارہ ہے" (ابوداؤد)۔ عُقبہ بن عامر جُہنی کی بہن کے معاملہ میں (جس کا ذکر اوپر نمبر ۴ میں گزر چکا ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ اپنی نذر توڑ دیں اور تین دن کے روزے رکھیں (مسلم۔ ابوداؤد)۔ ایک اور عورت کے معاملہ میں بھی جس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر طرف پھیلی ہوئی ہو گی، اور اللہ کی محبت[11] میں مسکین اور یتیم اور قیدی[12] کو کھانا کھلاتے ہیں[13] اور

پیدل حج کی نذر مانی تھی، حضورؐ نے حکم دیا کہ وہ سواری پر حج کے لیے جائے اور قسم کا کفارہ ادا کرے (ابو داؤد)۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا من نذر نذراً لم یسمہ فکفارتہ کفارۃ یمین، ومن نذر نذراً فی معصیۃ فکفارتہ کفارۃ یمین، ومن نذر نذراً لا یطیقہ فکفارتہ کفارۃ یمین، ومن نذر نذراً اطاقہ فلیف بہ "جس نے ایک نذر مان لی اور اس بات کا تعیّن نہ کیا کہ کس بات کی نذر مانی ہے وہ قسم کا کفارہ دے۔ اور جس نے معصیت کی نذر مانی وہ قسم کا کفارہ دے۔ اور جس نے ایسی نذر مانی جسے پورا کرنے کی وہ قدرت نہ رکھتا ہو وہ قسم کا کفارہ دے۔ اور جس نے ایسی نذر مانی جسے وہ پورا کر سکتا ہو وہ اسے پورا کرے" (ابو داؤد)۔ دوسری طرف وہ احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں کفارہ نہیں ہے۔ اوپر نمبر ۸ میں جن صاحب کا ذکر آیا ہے کہ انہوں نے دھوپ میں کھڑے رہنے اور کسی سے بات نہ کرنے کی نذر مانی تھی ان کا قصہ نقل کر کے امام مالکؒ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ مجھے کسی ذریعہ سے بھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ حضورؐ نے ان کو نذر توڑنے کا حکم دینے کے ساتھ یہ بھی حکم دیا ہو کہ وہ کفّارہ ادا کریں۔ حضرت عبداللہ بن عَمرو بن عاص کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیراً منہا فلیدعھا ولیات الذی ھو خیر فان ترکھا کفارتھا "جس نے کسی بات کی قسم کھائی ہو اور بعد میں وہ دیکھے کہ اس سے بہتر بات دوسری ہے تو وہ اسے چھوڑ دے اور وہ کام کرے جو بہتر ہو اور اسے چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے" (ابو داؤد۔ بیہقی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اور حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت کہ "جو کام بہتر ہے وہ کرے اور یہی اس کا کفارہ ہے" ثابت نہیں ہے)۔ امام نَوَوِی ان احادیث پر بحث کرتے ہوئے شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ، شافعیؒ، ابو حنیفہؒ، داؤد ظاہری اور جمہور علماء کہتے ہیں کہ معصیت کی نذر باطل ہے اور اسے پورا نہ کرنے پر کفارہ لازم نہیں آتا۔ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ کفارہ لازم آتا ہے۔

[11] اصل الفاظ ہیں عَلٰی حُبِّہٖ۔ اکثر مفسرین نے حُبِّہٖ کی ضمیر کا مرجع کھانے کو قرار دیا ہے، اور وہ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کھانے کے محبوب اور دل پسند ہونے اور خود اُس کے حاجت مند

© rasailojaraid.com

اُن سے کہتے ہیں کہ، ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔[۱۲] ہمیں تو اپنے رب سے اُس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جو سخت مصیبت کا

ہونے کے باوجود دوسروں کو کھلا دیتے ہیں۔ ابن عباس اور مجاہد کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے علیٰ حُبِّ الْاِطْعَام یعنی غریبوں کو کھانا کھلانے کے شوق میں وہ ایسا کرتے ہیں۔ اور حضرت فُضَیل بن عیاض اور ابو سلیمان الدّارانی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں وہ یہ کام کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک بعد کا یہ فقرہ کہ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ (ہم تو اللہ کی خوشنودی کی خاطر تمہیں کھلا رہے ہیں) اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔

۱۲؎ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ قدیم زمانے میں دستور یہ تھا کہ قیدیوں کو ہتھکڑی اور بیڑیاں لگا کر روزانہ باہر نکالا جاتا تھا اور وہ سڑکوں پر یا محلّوں میں بھیک مانگ کر پیٹ بھرتے تھے۔ بعد میں اسلامی حکومت نے یہ طریقہ بند کیا (صفحہ ۱۵۰ طبع ۱۳۸۲ھ)۔ اس آیت میں قیدی سے مُراد ہر وہ شخص ہے جو قید میں ہو، خواہ کافر ہو یا مسلمان، خواہ جنگی قیدی ہو، یا کسی جُرم میں قید کیا گیا ہو، خواہ اسے قید کی حالت میں کھانا دیا جاتا ہو یا بھیک منگوائی جاتی ہو، ہر حالت میں ایک بے بس آدمی کو جو اپنی روزی کے لیے خود کوئی کوشش نہ کر سکتا ہو، کھانا کھلانا ایک بڑی نیکی کا کام ہے۔

۱۳؎ اگرچہ بجائے خود کسی غریب کو کھانا کھلانا بھی ایک بہت بڑی نیکی ہے، لیکن کسی حاجت مند کی دوسری حاجتیں پُوری کرنا بھی ویسی ہی نیکی ہے جیسی نیکی بھوکے کو کھانا کھلانا ہے۔ مثلاً کوئی کپڑے کا محتاج ہے، یا کوئی بیمار ہے اور علاج کا محتاج ہے، یا کوئی قرضدار ہے اور قرض خواہ اسے پریشان کر رہا ہے تو اس کی مدد کرنا کھانا کھلانے سے کم درجے کی نیکی نہیں ہے۔ اس لیے اس آیت میں نیکی کی ایک خاص صورت کو اس کی اہمیت کے لحاظ سے بطور مثال پیش کیا گیا ہے، ورنہ اصل مقصود حاجت مندوں کی مدد کرنا ہے۔

۱۴؎ ضروری نہیں ہے کہ غریب کو کھانا کھلاتے ہوئے وہ زبان ہی سے یہ کہیں۔ دل میں بھی یہ بات کہی جا سکتی ہے اور اللہ کے ہاں اس کی بھی وہی حیثیت ہے جو زبان سے کہنے کی ہے۔ لیکن زبان سے یہ بات کہنے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ جس کی مدد کی جائے اس کو یہ اطمینان دلا دیا جائے کہ ہم اس سے کسی قسم کا شکریہ یا بدلہ نہیں چاہتے، تاکہ وہ بے فکر ہو کر کھائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتہائی طویل دن ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ انہیں اُس دن کے شر سے بچا لے گا اور انہیں تازگی اور سُرور بخشے گا،۱۵ اور ان کے صبر کے بدلے میں۱۶ انہیں جنّت اور ریشمی لباس عطا کرے گا۔ وہاں وہ اونچی مسندوں پر تکیے

۱۵؎ یعنی چہروں کی تازگی اور دل کا سرور۔ دوسرے الفاظ میں روزِ قیامت کی ساری سختیاں اور ہولناکیاں صرف کفار و مجرمین کے لیے ہوں گی۔ نیک لوگ اُس دن ہر تکلیف سے محفوظ اور نہایت خوش و خرم ہوں گے۔ یہی بات سُورۂ انبیاء میں بیان کی گئی ہے کہ "وہ انتہائی گھبراہٹ کا وقت ان کو ذرا پریشان نہ کرے گا اور ملائکہ بڑھ کر ان کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے کہ یہ تمہارا وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا" (آیت ۱۰۳)۔ اور اسی کی صراحت سورۂ نمل میں کی گئی ہے کہ "جو شخص بھلائی لے کر آئے گا اُسے اُس سے زیادہ بہتر صلہ ملے گا اور ایسے لوگ اُس دن کے ہَول سے محفوظ ہوں گے" (آیت ۸۹)۔

۱۶؎ یہاں صبر بڑے وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے، بلکہ درحقیقت صالح اہلِ ایمان کی پُوری دنیوی زندگی ہی کو صبر کی زندگی قرار دیا گیا ہے۔ ہوش سنبھالنے کے بعد یا ایمان لانے کے بعد سے مرتے دم تک کسی شخص کا اپنی ناجائز خواہشوں کو دبانا، اللہ کی باندھی ہوئی حدوں کی پابندی کرنا، اللہ کے عائد کیے ہوئے فرائض کو بجا لانا، اللہ کی خوشنودی کے لیے اپنا وقت، اپنا مال، اپنی محنتیں، اپنی قوتیں اور قابلیتیں، حتیٰ کہ ضرورت پڑنے پر اپنی جان تک قربان کر دینا، ہر اُس لالچ اور ترغیب کو ٹھکرا دینا جو اللہ کی راہ سے ہٹانے کے لیے سامنے آئے، ہر اُس خطرے اور تکلیف کو برداشت کر لینا جو راہِ راست پر چلنے میں پیش آئے، ہر اُس فائدے اور لذت سے دست بردار ہو جانا جو حرام طریقوں سے حاصل ہو، ہر اُس نقصان اور رنج و اذیت کو انگیز کر جانا جو حق پرستی کی وجہ سے پہنچے، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اِس وعدے پر اعتماد کرتے ہوئے کرنا کہ اِس نیک رویّے کے ثمرات اِس دنیا میں نہیں بلکہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں ملیں گے، ایک ایسا طرزِ عمل ہے جو مومن کی پوری زندگی کو صبر کی زندگی بنا دیتا ہے۔ یہ ہر وقت کا صبر ہے، دائمی صبر ہے، ہمہ گیر صبر ہے اور عمر بھر کا صبر ہے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اوّل، البقرہ، حاشیہ ۶۰۔ آل عمران، حواشی ۱۳، ۱۰۷، ۱۳۱۔ الانعام، حاشیہ ۲۳۔ جلد دوم، الانفال، حواشی ۳۷، ۴۷۔ یونس، حاشیہ ۹۔ ہود، حاشیہ ۱۱۔ الرعد، حاشیہ ۳۹۔ النحل، حاشیہ ۹۸۔ جلد سوم، مریم، حاشیہ ۴۔ الفرقان، حاشیہ ۹۴۔ القصص، حواشی ۷۵، ۱۰۰۔ العنکبوت، حاشیہ ۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت معاویہؓ اور خلافت و ملوکیت

ملک غلام علی صاحب

(۹)

بحث سابق میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین میں سے کسی بزرگ نے بھی اپنے کسی عزیز یا قرابت دار کے حق میں جانشینی کی تجویز امت کے لیے پیش نہیں فرمائی۔ یہ بات بھی صاف کی جا چکی ہے کہ عبادات و تقربات، یا پھر وہ معاملات جو مشروع طریق پر سر انجام پائیں، ان میں تو نیت کے وجود و فقدان اور نیت کی صحت و عدم صحت کا مسئلہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے، لیکن جو امور تعبدی نہیں ہیں اور جن کا مشروع و مسنون ہونا ثابت نہیں، ان میں نیت کے غلط یا صحیح ہونے سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا۔ ان میں خواہ صحیح جذبہ یا نیت کارفرما ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ ذاتی مفاد کے لیے ہوں یا قومی مفاد کے لیے، ان سے اختلاف کرنے یا انہیں غلط قرار دینے کا حق کسی طرح سلب نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح کے افعال پر امت کے علماء و صلحاء ہمیشہ گرفت کرتے چلے آئے ہیں اور ضمناً ان کے جذبات و محرکات بھی زیر بحث آتے رہے ہیں۔ اس چیز کو نیت پر حملہ یا سوئے ظن کا نام دے کر اسے مذموم یا ممنوع قرار دینا درست نہیں۔ نیت پر حملہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کسی عبادت یا نیکی کے کام کو بھی بلاوجہ بُری نیت پر مبنی سمجھ لیا جائے، ورنہ غلط کام بہرحال غلط ہے قطع نظر اس سے کہ وہ اچھے جذبے یا اچھی نیت سے کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

یزید کی ولی عہدی کے متعلق عثمانی صاحب کا بدلتا ہوا موقف | اب یزید کی ولی عہدی کے متعلق مدیر البلاغ فرماتے ہیں کہ "جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے کہ حضرت معاویہؓ کا یزید کو ولی عہد بنانا رائے، تدبیر اور نتائج کے اعتبار سے صحیح تھا یا غلط، اس میں ہمیں مولانا مودودی صاحب سے اختلاف نہیں ہے۔ جمہور امت کے محقق علماء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمیشہ یہ کہتے آئے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل رائے اور تدبیر کے درجے میں نفس الامری طور پر درست ثابت نہیں ہوا اور اس کی وجہ سے امت کے اجتماعی مصالح کو نقصان پہنچا۔" جہاں اتنی بات تو ان کے نزدیک بھی مسلّم ہے کہ حضرت معاویہؓ کا یہ فعل رائے، تدبیر اور نتائج کے اعتبار سے صحیح نہ تھا اور امت کے اجتماعی مفادات کے منافی تھا۔

اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ "مولانا سے ہمارا اختلاف اس مسئلے میں ہے کہ مولانا نے اس اقدام کو محض رائے اور تدبیر کے اعتبار سے غلط قرار دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ براہِ راست حضرت معاویہؓ کی نیت پر تہمت لگا کر اس بات پر اصرار فرمایا ہے کہ ان کے پیش نظر بس اپنا ذاتی مفاد تھا اور اس پر انہوں نے پوری امت کو قربان کر دیا۔" مدیر موصوف کے اس دوسرے معارضے کا جواب میں اب تک کی بحث میں دے چکا ہوں۔ میرے لیے دوبارہ بس اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اگرچہ مولانا نے نیت پر تہمت نہیں لگائی لیکن یہ امر جب تسلیم شدہ ہے کہ امیر معاویہؓ کا فعل رائے، تدبیر اور نتائج تینوں لحاظ سے غلط تھا اور مصالح اجتماعیہ کے حق میں نقصان رساں ثابت ہوا تو پھر جذبے یا نیت کے صحیح ہونے نہ ہونے یا ذاتی مفاد پر مبنی ہونے نہ ہونے سے عملاً کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ پھر مولانا مودودی نے جو بات کہی تھی وہ دراصل یہ تھی کہ "انہوں نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔" ان الفاظ کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ انہوں نے جانتے بوجھتے امت کو اپنے ذاتی مفاد پر قربان کر دیا، بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ اس فعل کے نتیجے میں امت خلافت کے بجائے ملوکیت و آمریت اور نسلی بادشاہت کی راہ پر پڑ گئی اور یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار ممکن ہی نہیں ہے۔ کیا آپ خود جمہور محققین کا قول یہی بیان نہیں فرما رہے کہ یہ فعل درست نہ تھا بلکہ نقصان دہ ثابت ہوا؟

اس کے بعد عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ "ہماری آئندہ گفتگو کا حاصل یہ نہیں ہے کہ حضرت معاویہؓ کا یہ اقدام واقعے کے اعتبار سے سو فی صد درست اور نفس الامر میں بالکل صحیح تھا یا انہوں نے جو کچھ کیا وہ بالکل ٹھیک کیا۔" ان الفاظ سے بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا عثمانی نے اپنے سابق موقف میں ترمیم کر کے اب یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ اقدام صد فی صد درست یا بالکل ٹھیک نہیں، حالانکہ وہ پہلے اسے بلا تخصیص اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ع ۱

تمہاری کارگزاری قابلِ قدر ٹھیری ہے[۲۶] ع

موجود ہونگی۔ دوسرے یہ کہ سونے اور چاندی کے کنگن وہ بیک وقت پہنیں گے، کیونکہ دونوں کو ملا دینے سے حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جس کا جی چاہے گا سونے کے کنگن پہنے گا اور جو چاہے گا چاندی کے کنگن استعمال کرے گا۔ رہا یہ سوال کہ زیور تو عورتیں پہنتی ہیں، مردوں کو زیور پہنانے کا کیا موقع ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قدیم زمانے میں بادشاہوں اور رئیسوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ہاتھوں اور گلے اور سر کے تاجوں میں طرح طرح کے زیورات استعمال کرتے تھے، بلکہ ہمارے زمانے میں برطانوی ہند کے راجاؤں اور نوابوں تک میں یہ دستور رائج رہا ہے۔ سورۂ زُخرُف میں بیان ہُوا ہے کہ حضرت موسٰیؑ جب اپنے سادہ لباس میں بس ایک لاٹھی لیے ہوئے فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس سے کہا کہ میں اللہ رب العالمین کا بھیجا ہُوا پیغمبر ہوں تو اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ یہ اچھا سفیر ہے جو اس حالت میں میرے سامنے آیا ہے، فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ (آیت ۵۳)۔ یعنی اگر یہ زمین و آسمان کے بادشاہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوتا تو کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن آتارے گئے؟ یا ملائکہ کا کوئی لشکر ہی اس کی اردلی میں آتا۔"

۲۵ پہلے دو شرابوں کا ذکر گزر چکا ہے۔ ایک وہ جس میں آبِ چشمۂ کافور کی آمیزش ہوگی۔ دوسری وہ جس میں آبِ چشمۂ زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔ ان دونوں شرابوں کے بعد اب پھر ایک شراب کا ذکر کرنا اور یہ فرمانا کہ ان کا رب انہیں نہایت پاکیزہ شراب پلاتے گا، یہ معنی رکھتا ہے کہ یہ کوئی اور بہترین نوعیت کی شراب ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضلِ خاص کے طور پر انہیں پلائی جائے گی۔

۲۶ اصل الفاظ ہیں كَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا۔ یعنی تمہاری سعی مشکور ہوئی۔ سعی سے مراد وہ پورا کارنامۂ حیات ہے جو بندے نے دنیا میں انجام دیا۔ جن کاموں میں اس نے اپنی محنتیں اور جن مقاصد کے لیے اس نے اپنی کوششیں صرف کیں ان سب کا مجموعہ اُس کی سعی ہے اور اس کے مشکور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ قابلِ قدر قرار پائی۔ شُکر یہ جب بندے کی طرف سے خدا کے لیے ہو تو اس سے مراد اس کی نعمتوں پر احسان مندی ہوتی ہے، اور جب خدا کی طرف سے بندے کے لیے ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خدمات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَے نبی، ہم نے ہی تم پر یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے[۲۷]، لہٰذا تم اپنے رب کے حکم پر صبر کرو[۲۸] اور اِن میں سے کسی بدعمل یا منکرِ حق کی بات نہ مانو[۲۹]۔ اپنے رب کا نام صبح و شام یاد کرو، رات کو بھی اس کے حضور سجدہ ریز ہو، اور رات کے طویل اوقات میں اس کی تسبیح کرتے رہو[۳۰]۔

کی قدر فرمائی۔ آقا کی یہ بہت بڑی عنایت ہے کہ بندہ جب اس کی مرضی کے مطابق اپنا فرض انجام دے تو وہ اس کا شکریہ ادا کرے۔

۲۷۔ یہاں مخاطب بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، لیکن دراصل رُوئے سخن کفار کی طرف ہے۔ کفار مکہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن خود سوچ سوچ کر بنا رہے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فرمان آتا تو اکٹھا ایک ہی مرتبہ آجاتا۔ قرآن مجید میں بعض مقامات پر اُن کا یہ اعتراض نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے، (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، النحل، حواشی ۱۰۲-۱۰۴-۱۰۵-۱۰۶۔ بنی اسرائیل ۱۱۹)، اور یہاں اسے نقل کیے بغیر اللہ تعالیٰ نے پورے زور کے ساتھ فرمایا ہے کہ اِس کے نازل کرنے والے ہم ہیں، یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِس کے مصنّف نہیں ہیں، اور ہم ہی اس کو تدریج نازل کر رہے ہیں، یعنی یہ ہماری حکمت کا تقاضا ہے کہ اپنا پیغام بیک وقت ایک کتاب کی شکل میں نازل نہ کر دیں، بلکہ اسے تھوڑا تھوڑا کر کے بھیجیں۔

۲۸۔ یعنی تمہارے رب نے جس کارِ عظیم پر تمہیں مامور کیا ہے اس کی سختیوں اور مشکلات پر صبر کرو، جو کچھ بھی تم پر گزر جائے اسے پامردی کے ساتھ برداشت کرتے چلے جاؤ اور پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دو۔

۲۹۔ یعنی ان میں سے کسی سے دب کر دینِ حق کی تبلیغ سے باز نہ آؤ، اور کسی بدعمل کی خاطر دین کی اخلاقی تعلیمات میں، یا کسی منکرِ حق کی خاطر دین کے عقائد میں ذرہ برابر بھی ترمیم و تغیّر کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ جو کچھ حرام و ناجائز ہے اسے برملا حرام و ناجائز کہو، خواہ کوئی بدکار کتنا ہی زور لگاتے کہ تم اس کی مذمت میں ذرا سی نرمی ہی برت لو۔ اور جو عقائد باطل ہیں انہیں کھلم کھلا باطل اور جو حق ہیں انہیں علانیہ حق کہو، چاہے کفار تمہارا منہ بند کرنے، یا اِس معاملہ میں کچھ نرمی اختیار کر لینے کے لیے تم پر کتنا ہی دباؤ ڈالیں۔

۳۰۔ قرآن کا قاعدہ ہے کہ جہاں بھی کفار کے مقابلہ میں صبر و ثبات کی تلقین کی گئی ہے وہاں اس کے معاً بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ لوگ تو جلدی حاصل ہونے والی چیز (دنیا) سے محبت رکھتے ہیں اور آگے جو بھاری دن آنے والا ہے اسے نظر انداز کر دیتے ہیں[۳۱]۔ ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ بند مضبوط کیے ہیں، اور ہم جب چاہیں ان کی شکلوں کو بدل کر رکھ دیں[۳۲]۔ یہ ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرے۔ اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ نہ چاہے[۳۳]۔

اللہ کے ذکر اور نماز کا حکم دیا گیا ہے، جس سے خود بخود یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دینِ حق کی راہ میں دشمنانِ حق کی مزاحمتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جس طاقت کی ضرورت ہے وہ اسی چیز سے حاصل ہوتی ہے۔ صبح و شام اللہ کا ذکر کرنے سے مراد ہمیشہ اللہ کو یاد کرنا بھی ہو سکتا ہے، مگر جب اللہ کی یاد کا حکم اوقات کے تعین کے ساتھ دیا جائے تو پھر اس سے مراد نماز ہوتی ہے۔ اس آیت میں سب سے پہلے فرمایا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ بُکرہ عربی زبان میں صبح کو کہتے ہیں۔ اور اَصیل کا لفظ زوال کے وقت سے غروب تک کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں ظہر اور عصر کے اوقات آجاتے ہیں۔ پھر فرمایا وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ۔ رات کا وقت غروبِ آفتاب کے بعد شروع ہو جاتا ہے، اس لیے رات کو سجدہ کرنے کے حکم میں مغرب اور عشا۔ دونوں وقتوں کی نمازیں شامل ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد یہ ارشاد کہ رات کے طویل اوقات میں اس کی تسبیح کرتے رہو، نمازِ تہجد کی طرف صاف اشارہ کرتا ہے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، بنی اسرائیل، حواشی ۹۲ تا ۹۷۔ جلد پنجم، المزّمّل، حاشیہ ۲)۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے یہی اوقات ابتدا سے اسلام میں تھے، البتہ اوقات اور رکعتوں کے تعیّن کے ساتھ پنج وقتہ نماز کی فرضیت کا حکم معراج کے موقع پر دیا گیا۔

[۳۱] یعنی یہ کفارِ قریش جس وجہ سے اخلاق اور عقائد کی گمراہیوں پر مصر ہیں، اور جس بنا پر آپ کی دعوتِ حق کے لیے ان کے کان بہرے ہو گئے ہیں، وہ دراصل ان کی دنیا پرستی اور آخرت سے بے فکری و بے نیازی ہے۔ اس لیے ایک سچے خدا پرست انسان کا راستہ ان کے راستے سے اتنا الگ ہے کہ دونوں کے درمیان کسی مصالحت کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

[۳۲] اصل الفاظ ہیں اِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا۔ اس فقرے کے کئی معنی ہو سکتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یقیناً اللہ بڑا علیم و حکیم ہے، اپنی رحمت میں جس کو چاہتا ہے داخل کرتا ہے، اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے[۳۳، ۳۴] ع ۲

ایک یہ کہ ہم جب چاہیں انہیں ہلاک کر کے انہی کی جنس کے دوسرے لوگ اِن کی جگہ لا سکتے ہیں جو اپنے کردار میں اِن سے مختلف ہوں۔ دوسرے یہ کہ ہم جب چاہیں ان کی شکلیں تبدیل کر سکتے ہیں، یعنی جس طرح ہم کسی کو تندرست اور سلیم الاعضاء بنا سکتے ہیں اسی طرح ہم اِس پر بھی قادر ہیں کہ کسی کو مفلوج کر دیں، کسی کو لقوہ مار جائے، اور کوئی کسی بیماری یا حادثے کا شکار ہو کر اپاہج ہو جائے۔ تیسرے یہ کہ ہم جب چاہیں موت کے بعد ان کو دوبارہ کسی اور شکل میں پیدا کر سکتے ہیں۔

۳۳؎ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد پنجم، المُدّثّر، حاشیہ ۱۴۔

۳۴؎ اس کی تشریح ہم اسی سورۃ کے دیباچہ میں کر چکے ہیں۔

© rasailojaraid.com